

فتویٰ ج ۵: ۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء



جناب محترم حضرت مفتی محمد صاحب دارالافتاء والارشاد جامعۃ الرشید احسن آباد، کراچی  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

MIS کراچی والوں نے جناب اشتیاق احمد صاحب کا ”سفر نامہ عملاً“ شائع کیا ہے۔ انہوں  
نے صفحہ ۳۰ پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا واقعہ لکھا ہے:

”درود تو دور سے ہی پڑھتے آرہے تھے، عین سامنے پہنچ کر ہم پڑھنے لگے:  
”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوة والسلام علیک  
یا نبی اللہ، الصلوة والسلام علیک یا حبیب اللہ“ اس مقام مبارکہ  
پر صلوة والسلام اسی طرح پڑھا جائے گا جبکہ دور سے ہم ”الصلوة والسلام  
علی رسول اللہ“ پڑھتے ہیں۔“ (سفر نامہ عمرے کا: ص ۳۰)

آپ وضاحت فرمادیں کہ کیا یہ درود شریف ہے؟ کیا حدیث کی کتب میں یہ درود وسلام ملتا ہے؟  
یا حاضری کے وقت درود براہمی پڑھنا افضل ہے؟ کیا یہ الفاظ درود براہمی سے بھی افضل ہیں؟ نیز  
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین کرام اور اکابر امت رحمہم اللہ کا روضہ مبارک پر حاضری کے وقت  
کیا طریقہ تھا؟ وہ کیا پڑھتے تھے؟ نیز سب سے افضل درود وسلام کون سا ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

(واللہ)

طارق مصطفیٰ اعوان

معلم گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول ملکہ (گجرات)

(الحمد للہ رب العالمین)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تمام اکابر امت کا روضہ مبارک پر حاضری کا  
طریقہ یہ تھا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ پست آواز میں نذرانہ سلام پیش  
پڑھتے اور پھر قبر اطہر پر حاضر ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ پست آواز میں نذرانہ سلام پیش  
کرتے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں خود آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری قبر پر آ کر کوئی مجھ پر درود پڑھے تو میں اُسے سنتا ہوں:

”من صلی علیّ عند قبري سمعته، ومن صلی علیّ نائیا أبلغته.“

(شعب الإيمان للبيهقي: ۲/۲۱۵، ح ۱۵۸۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وفي رواية أبي الشيخ عن أبي هريرة رضي الله عنه: ”من صلی

عليّ عند قبري سمعته، ومن صلی عليّ من بعيد علمته.“

(الجامع الكبير للسيوطي: ۱/ ۲۳۴، ح ۵۰۰۳)

قال ابن القيم: "وقال أبو الشيخ في "كتاب الصلاة على النبي" حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج، حدثنا الحسن بن الصباح، حدثنا أبو معاوية، حدثنا الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ من بعيد أعلمته." (جلاء الأفهام في فضل الصلاة على محمد خير الأنام: ۵۴/۱، دار العروبة، الكويت)

قال الحافظ ابن حجر العسقلاني: "وأخرجه أبو الشيخ في "كتاب الثواب" بسند جيد بلفظ: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً بلغته." (فتح الباري: ۱۰/ ۲۴۳) وكذا ذكره ابن تيمية عن ابن أبي شيبة والدارقطني في "اقتضاء الصراط المستقيم".

(اقتضاء الصراط المستقيم: ص ۲۹۴، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: "جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے تو میں خود اسے بہتیا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے (فرشتوں کے ذریعے) پہنچا دیا جاتا ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو بھی آکر مجھے سلام کرتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ قال أبو داؤد: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "ما من أحد يسلم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحي، حتى أرى عليه السلام." قال الألباني: حسن." (سنن أبي داؤد: ۱/ ۶۲۲، ح ۲۰۴۱، باب زيارة القبور، دار الفكر، ومسند أحمد: ۲/ ۵۲۷، ح ۱۰۸۲۷، قال الشيخ الأرنؤوط: إسناده حسن) ترجمہ: "جو بھی کوئی (مسلمان قبر پر آکر) مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے میری روح لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اسے سلام کا جواب دوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب سے صلاۃ و سلام سننا امت کا اجماعی عقیدہ ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث نے مبارک کی روشنی میں اس فاسد عقیدے کا بھی رد ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے ہمارا صلاۃ و سلام سنتے ہیں، البتہ خاص روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے کے بارے میں تمام اہل السنۃ و الجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود صلاۃ و سلام سنتے ہیں جیسے کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے تصدیقی دستخط سے جاری ہونے والے ایک فتویٰ میں تحریر ہے:

”کتاب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام سنتے ہیں۔ سلف اہلسنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (بحوالہ خیر الفتاویٰ: ۱/۲۷۷، امدادیہ، ملتان) اور اسی لیے کشف الباری کتاب المغازی صفحہ ۱۲۳ پر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

”سماع انبیاء مجمع علیہ ہے، عام موتی کا مختلف فیہ ہے۔“ جبکہ قطب الارشاد حضرت لنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں واخکاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کے قریب سماع الہی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، پھر سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں، سنو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد اسلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت و مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ کمال، ص ۱۱۲، محمد سعید تاجران کتب، کراچی) دوسرے مقام پر فرمایا:

”انبیاء علیہم السلام کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔“ (فتاویٰ رشیدیہ کمال، ص ۶۰، محمد سعید تاجران کتب، کراچی) قریب سے صلاۃ و سلام سننے کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کا عقیدہ:

چنانچہ جمہور اہلسنت سے بہت سارے مسائل میں اختلاف کرنے کے باوجود اس مسئلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ اس باب میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو جمہور سلف اہلسنت کا ہے، حالانکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے کہ اگر کسی بات سے انہیں شرک کا ادنیٰ ترین و ہم بھی پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا سد باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں، مگر قبر شریف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلاۃ و سلام سننے کا مسئلہ اتنا صاف اور بے غبار ہے کہ جگہ جگہ پر اپنے فتاویٰ و دیگر کتب میں واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس پڑھا گیا صلاۃ و سلام خود سماعت فرماتے ہیں۔

قال ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ: ”إن اللہ حرم علی الأرض أن تأکل لحوم الأنبياء، فأخبر أنه يسمع الصلوة والسلام من القريب وأنه يبلغ

”ذلك من البعيد.“

(بیان مختصر لمناسک الحج، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۴۷/۲۶)

وقال أيضاً: ”فهذه النصوص التي ذكرناها تدل على أنه يسمع سلام القريب، ويبلغ سلام البعيد وصلاته، ..... والحديث الذي فيه: ”ما من رجل يسلم عليّ إلّا ردّ الله عليّ رُوحِي، حتّى أُرَدّ عليه السلام.“ فهم العلماء منه السلام عند قبره خاصة، فلا يدل على البعيد.“ (الرد على البكري: ۱/۱۰۷، ۲۵۳)

وقال أيضاً: ”وقال: ”أكثرُوا عليّ من الصلاة يوم الجمعة وليلة الجمعة، فإنّ صلاتكم معروضة عليّ.“ فقالوا: كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أُرمت؟ أي: بليت. قال: ”إنّ الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء.“ فأخبر أنه يسمع الصلاة والسلام من القريب، وأنه يبلغه ذلك من البعيد.“

(مجموعة فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۴۴/۶، فصل وإذا دخل المدينة قبل الحج أو بعده)

وقال في المنهاج: ”فهذا المعروف عنه في السنن هو الصلاة والسلام عليه كما أمر الله تعالى بذلك في كتابه بقوله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: ۵۶) وقد ثبت في الصحيح أنه قال: ”من صلى عليّ مرة صلى الله عليه عشرة.“ لكن إذا صلّى وسلم عليه من بعيد بلغ ذلك، وإذا سلم عليه من قريب سمع هو سلام المسلم عليه، ولهذا كان الصحابة رضي الله عنهم إذا أتى أحدهم قبره سلم عليه، وعلى صاحبيه.“ (منهاج السنة النبوية: ۴۴۳/۲)

**شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا عقیدہ:**

اور یہی وجہ ہے کہ جب شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مخالفین نے ان کے بارے میں مشہور کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو منع کرتے ہیں تو ان کے متعین علماء نجد اور خاص کر ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں اپنا عقیدہ یہ بیان کیا کہ قبر کے قریب پڑھا گیا درود و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

قال الشيخ عبدالعزيز بن محمد: ”ومما كتبه الشيخ عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب ذاكرة هذه المقتريات، ثم معقبا عليه بالدحض

والرد، حين دخل مكة في محرم سنة ١٢١٨ هـ..... والذي نعتقد أنه مرتبة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم أعلى مراتب المخلوقين على الإطلاق، وأنه حي في قبره حياة برزخية أبلغ من حياة الشهداء المنصوص عليها في التنزيل، إذ هو أفضل منهم بلا ريب، وأنه يسمع سلام المسلم عليه، وتسمن زيارته“ (دعائي المناوئين لدعوة الشيخ محمد بن عبد الوهاب عرض ونقض: ١/١٢٠، ١٢١)

اور یہی مضمون دو جگہوں پر علماء نجد کی کتاب الدرر السنية فی الأجوبة النجدية میں آیا ہے۔  
(الدرر السنية في الأجوبة النجدية: ١/٢١٧، ٢٠٩)

### حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا دعویٰ:

لہذا حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں:  
”بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۵۲ھ [۱۹۵۵ء] تک اہلسنت والجماعت کا کوئی فرد، کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ، دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث و تفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف و سلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں، اور یہ کہ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ من ادعی بخلافہ فعلیہ البیان، ولا یمکنہ ان شاء اللہ تعالیٰ الی یوم البعث، والجزاء، والمیزان۔ خدا کرے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ان کو کل نزاع اور اپنا مدعا سمجھ آ سکے۔“ (تسکین الصدور، ج ۲۹۰)

یہاں تک تو یہ بات تھی کہ موجدہ شریف پر تمام امت مسلمہ صیخ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام کیوں پڑھتی ہے۔ اس کی وجہ مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں واضح ہوئی کہ بلا اختلاف تمام سلف صالحین یہاں تک کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور علماء نجد بھی اس بات سے متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلام کو بذات خود اسی قبر شریف میں سنتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سلام احادیث کی روشنی میں:

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ



تعالیٰ قبر مبارک پر آ کر کس طرح سے صلاۃ و سلام کا نذرانہ پیش کرتے تھے؟ تو صحابہ کرام میں سے متعدد کبار صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت عیمر بن سعد الانصاری، حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن عمر اور بقیہ مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ قبر شریف پر آ کر نذرانہ سلام صیغہ خطاب یعنی ”یا رسول اللہ“ کے ساتھ عرض کرتے تھے۔ اس بارے میں متعدد احادیث و آثار میں سے

نو یہاں پر پیش ہیں:

**پہلی حدیث:**

قال ابن أبي شيبه: ”حدثنا أبو معاوية، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر أنه كان إذا أراد أن يخرج دخل المسجد فصلى، ثم أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: السلام عليكم يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! ثم يأخذ وجهه، وكان إذا قدم من سفر يفعّل ذلك قبل أن يدخل منزله.“ (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۸/۳، ح ۱۱۷۹۳، باب من كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيسلم، الطبعة الأولى، مكتبة الرشد، الرياض)

**دوسری حدیث:**

وفي السنن الكبرى للبيهقي: ”(أخبرنا) أبو الحسين علي بن محمد بن علي المهرجاني، ابن أبي علي السقاء بنيسابور، وأبو الحسن علي بن محمد بن علي المقرئ، المهرجاني بها، قالوا: أنا الحسن بن محمد بن إسحاق، ثنا يوسف بن يعقوب القاضي، ثنا سليمان بن حرب، ثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع: أن ابن عمر كان إذا قدم من سفر دخل المسجد، ثم أتى القبر، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه!“

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲۴۵/۵، باب زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

**تیسری حدیث:**

وفي معرفة السنن والآثار للبيهقي: ”وروي عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”ما من أحد يسلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي، حتى أرى عليه السلام.“ وكان ابن عمر إذا قدم من سفر دخل المسجد، ثم أتى القبر فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا

أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه!“ (معرفة السنن والآثار للبيهقي: ١١٦/٩)

**چوتھی حدیث:**

وفي المصنّف: ”عبد الرزاق، عن معمر، عن أيوب، عن نافع قال: كان ابن عمر إذا قدم من سفر أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! وأخبرناه عبد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر.“  
(مصنّف عبد الرزاق: ٥٧٦/٣، باب السلام على قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

**پانچویں حدیث:**

وفي دلائل النبوة للبيهقي: ”قال الواقدي: حدثني موسى بن محمد بن إبراهيم قال: وجدت في صحيفة كتابا بخط أبي فيه: أنه لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وضع على سريره، دخل أبو بكر وعمر، ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار، قدر ما يسع البيت، وقالوا: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، وسلم المهاجرون والأنصار كما سلم أبو بكر، ثم صفوا صفوفاً لا يؤمهم عليه أحد، فقال أبو بكر وعمر، وهما في الصف الأول حيال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم إنا نشهد أن قد بلغ ما أنزل إليه، ونصح لأمرته، وجاهد في سبيل الله، حتى أعز الله تعالى دينه، وتمت كلمته، وأومن به وحده، لا شريك له، فاجعلنا إلهنا ممن يتبع القول الذي أنزل معه، واجمع بيننا وبينه، حتى تعرفه بنا، وتعرفنا به، فإنه كان بالمؤمنين رؤوفاً رحيماً، لا نبغي بالإيمان بدلاء، ولا نشترى به ثمناً أبداً، فيقول الناس: آمين! آمين! فيخرجون، ويدخل آخرون، حتى صلى عليه الرجال، ثم النساء، ثم الصبيان.“ (دلائل النبوة: ٣٩١/٨)

**چھٹی حدیث:**

وكذا في جامع الأحاديث: ”عن عبد الله بن محمد بن عبد الله بن عمر بن علي بن أبي طالب، عن أبيه، عن جده، عن علي قال: لما وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم على السرير قال علي: لا يقوم عليه أحد هو إمامكم حياً وميتاً؛ فكان يدخل الناس رسلًا رسلًا، فيصلون عليه صفاً صفاً، ليس لهم إمام ويكبرون، وعلي قائم بحيال رسول الله

صلى الله عليه وسلم يقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، اللهم إنا نشهد أن قد بلغ ما أنزل إليه، ونصح لأمته، وجاهد في سبيل الله، حتى أعز الله دينه، وتمت كلمته، اللهم فاجعلنا ممن يتبع ما أنزل إليه، وثبتنا بعده، واجمع بيننا وبينه، فيقول الناس: آمين! حتى صلى عليه الرجال، ثم النساء، ثم الصبيان. “ [كنز العمال: ٢٥٤/٧، ح ١٨٧٩٤]، (أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى: ٢٩١/٢). “ (جامع الأحاديث: ٥٦/٣٢)

#### سائقين حديث:

وفي جامع الأحاديث مسند عمر بن الخطاب: “عن محمد بن مزاحم أن عمر بن الخطاب كان يستعمل بعد موت أبي عبيدة بن الجراح على حمص عمير بن سعد الأنصاري، فأقام بها سنة فكتب إليه عمر بن الخطاب: إنا بعثناك على عمل من أعمالنا، فما ندري أوفيت بعهدنا أم خنتنا، فإذا جاءك كتابي هذا، فانظر ما اجتمع عندك من الفسيء، فاحمله إلينا، والسلام. فقام عمير حين انتهى إليه الكتاب ..... فقام عمر وعمير إلى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال عمير: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! ماذا لقيت بعد كما، اللهم ألحقني بصاحبي، لم أغير ولم أبدل، وجعل يبكي عمر وعمير طويلاً. “ (جامع الأحاديث: ١٦٧/٢٦، ١٦٩)

#### أشواقين حديث:

وفي إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: “وعنه: أنه [أي: ابن عمر] كان إذا قدم من سفر صلى ركعتين في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، ثم أتى القبر، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبا عبد الله، ومحمد بن يحيى بن أبي عمر، والبيهقي موقوفاً بسند صحيح. “ (الإتحاف: ٧٣/٣)

#### نواحين حديث:

وفيه أيضاً: “باب ما يقوله إذا دخل المسجد، وإذا خرج منه: قال محمد بن يحيى بن أبي عمر: حدثنا المقرئ، ثنا حيوة بن شريح، أخبرني أبو صخر، عن يزيد بن قسيط، عن أبي الدرداء أنه يقول: إني



لأقول إذا دخلت المسجد: السلام عليك يا رسول الله! وإذا خرجت قلتها.“ (الإتحاف: ۱۰/۲)

**حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول:**

مندرجہ بالا آخری حدیث میں تو اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دفعہ جب بھی مسجد نبوی میں داخل ہوتے یا باہر نکلتے تو ”السلام عليك يا رسول الله!“ کے الفاظ کے ساتھ سلام عرض کرتے، گویا صرف روزانہ کا نہیں بلکہ ہر روز جتنی دفعہ مسجد نبوی تشریف لاتے لے جاتے تو یہ ان کا معمول تھا۔

**حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت مبارکہ:**

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں بھی صراحت کے ساتھ اکثر و بیشتر سلام پیش کرنے کا ذکر آیا ہے، جیسے کہ حضرت نافع کی روایت میں ہے: ”میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ روزہ رسول پر سلام عرض کرتے دیکھا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ سفر پر آنے جانے کے علاوہ بھی یہ ان کی مستقل عادت مبارکہ تھی۔

قال ابن تيمية رحمه الله: ”و روى ابن بطه في الإبانة بإسناد صحيح عن معاذ بن معاذ، حدثنا ابن عون قال: سأل رجل نافعاً فقال: هل كان ابن عمر يسلم على القبر؟ فقال: نعم، لقد رأيته مائة، أو أكثر من مائة مرة. كان يأتي القبر، فيقوم عنده، فيقول: السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على عمر أبي. وفي رواية أخرى ذكرها الإمام أحمد محتجاً بها: ثم ينصرف.“

(اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۹۷، دار الفكر، بيروت)

وقال أيضاً في مجموع الفتاوى: ”و كان عبد الله بن عمر يقول إذا دخل المسجد: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبت! ثم ينصرف.“ (مجموع فتاوى ابن تيمية: ۱۴۴/۶)

قال العلامة اللكنوي في التعليق المجلد لموطأ محمد: ”وفي رواية عن نافع: كان ابن عمر يسلم على القبر، ورأيت مائة مرة أو أكثر يأتي ويقول: السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على أبي. وظاهره أنه كان دائماً وإن لم يسافر، كذا في ”وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى“، و”المواهب“ و”شرحه“، وفي الباب عن أنس عند ”البيهقي“، و”ابن أبي الدنيا“، وجابر عند ”البيهقي“، وأبي أيوب عند

”أحمد“، و”الطبرانی“، و”النسائی“۔ (الموطأ - رواية محمد بن الحسن:-

۴۸/۳، باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم وما يستحب من ذلك، دار القلم،

دمشق)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سلام بصیغہ خطاب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت مبارکہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور اپنے والد ماجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام پیش کرنے کی نہیں تھی بلکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ایسا ہی سلام پیش کرتے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے بعد انہیں ”السلام عليك يا أبا حبيب“ فرماتے ہوئے سلام کیا۔

قال في جامع الأصول من أحاديث الرسول: ”(م) أبو نوفل قال:

رأيت عبد الله بن الزبير على عقبة المدينة، فجعلت قريش تمر عليه

والناس، حتى مر عليه عبد الله بن عمر، فوقف عليه عبد الله، فقال:

السلام عليك أبا حبيب! السلام عليك أبا حبيب! السلام عليك أبا

حبيب!“ (جامع الأصول: ۷۵۶۴/۱۰)

وفي صحيح مسلم: ”حدثنا عقبة بن مكرم العمي، حدثنا يعقوب -

يعني ابن إسحاق الحضرمي -، أخبرنا الأسود بن شيبان، عن أبي نوفل:

رأيت عبد الله بن الزبير على عقبة المدينة، قال: فجعلت قريش تمر

عليه والناس، حتى مر عليه عبد الله بن عمر، فوقف عليه، فقال: السلام

عليك أبا حبيب! السلام عليك أبا حبيب! السلام عليك أبا حبيب!

أما والله! لقد كنت أنهاك عن هذا.“ (صحيح مسلم: ۳۶۰/۱۶)

وفي أخبار مكة للفاكهي: ”حدثنا ابن أبي بزة قال: حدثني محمد

بن يزيد بن خنيس، قال: ثنا عبد العزيز بن أبي رواد، قال: حدثني نافع،

قال: خرجت مع ابن عمر رضي الله عنهما بعدما قتل ابن الزبير رضي

الله عنهما، وصلب على ثنية المدنين، فقال لي: يا نافع! إذا بلغنا الثنية،

فأتينا ابن الزبير فأخبرني، حتى أسلم عليه، قال نافع: فنعسنا بأصل الثنية،

فما فرغنا إلا وبالحمار من تحته، ففتحت عيني فإذا به، فقلت: يا أبا

عبد الرحمن! هذا ابن الزبير، فقال: سلام عليك يا أبا حبيب ورحمة

الله وبركاته! أما والله! لمن كبر عليك يوم ولدت خير ممن كبر عليك

يوم قتلت، ولقد كنت صواما قواما، ولكنك أنزلت الدنيا حيث لم

ينزلها الله تعالى، السلام عليك يا أبا حبيب! سر بنا يا نافع!

(أخبار مكة: ۴/۳۴۲)

**أحد وغيره میں شہداء صحابہ کو سلام:**

یہ صرف ان کا نہیں دیگر صحابہ کرام کا بھی طریقہ تھا، اُحد جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اسی طرح خصوصی سلام کا نذرانہ پیش کرتے:

قال في دلائل النبوة للبيهقي: "قال الواقدي: وكانت فاطمة الخزاعية تقول: لقد رأيته وقد غابت الشمس بقبور الشهداء، ومعني أخت لي، فقلت لها: تعالي نسلم على قبر حمزة، فقالت: نعم، فوقنا على قبره فقلنا: السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم! فسمعنا كلاما رد علينا: وعليكم السلام ورحمة الله، قالت: وما قرنا أحد من الناس." (دلائل النبوة: ۳/۳۷۶)

**تابعین کا سلام:**

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین سے بھی اسی طرح کا سلام منقول ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن ابی قیس رحمہ اللہ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث کے بارے میں پوچھنے کے لیے مدینہ حاضر ہوئے تو حجرہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام عليك يا رسول الله!" کہا اور پھر "السلام عليك يا أم المؤمنين!" کہا۔  
في مسند إسحاق بن راهويه: "أخبرنا بقیة بن الوليد، حدثني محمد بن زياد، حدثني عبد الله بن أبي قيس قال: بعثني ابن عازب إلى عائشة أم المؤمنين أسألها عن هذه الأحاديث، فأتيتها، فسألت: أين منزل أم المؤمنين؟ فقال رجل: إيت ذاك الباب، فإذا باب عليه ستر، فقلت: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أم المؤمنين! فغفلت، فرددت السلام، فقالت: من هذا؟ فقلت: رسول ابن عازب، فقالت: عليك يا رسول ابن عازب السلام، ابن العفيف؟ فقلت: ابن العفيف، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم سماه عفيفا، فسألتها عن هذه الأحاديث، وسألتها عن الصيام، والوصال فيه، فقالت: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوصال في الصيام."

(مسند إسحاق بن راهويه: ۳/۹۵۹)

باب الأوقات والأماكن

**سلام بھیتہ خطاب فقہاء کرام کی نظر میں:**

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی حاجی کے لیے مدینہ منورہ جا کر مسجد نبوی اور روضہ مبارک پر حاضری دینے کا طریقہ اور آداب بروی تفصیل سے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ سلام کا صیغہ بھی یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ صرف حنفی فقہاء نہیں تقریباً تمام مذاہب کے فقہاء نے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اسی طرح صیغہ خطاب کے ساتھ سلام عرض کرنے کا فرمایا ہے، بلکہ ”یا رسول اللہ!“ کے علاوہ دیگر اور بہت سارے القابات کے ساتھ سلام کے صیغہ لکھے ہیں۔ جیسے ”السلام علیک یا حبیب اللہ! السلام علیک یا خیر خلق اللہ!“ وغیرہ۔

قال في فتح القدير: ”وما عن أبي الليث أنه يقف مستقبل القبلة مردود بما روى أبو حنيفة رضي الله عنه في مسنده عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرك إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! إلا أن يحمل على نوع ما من استقبال القبلة، وذلك أنه عليه الصلاة والسلام في القبر الشريف المكرم على شقه الأيمن مستقبل القبلة ..... ثم يقول في موقفه: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا خیر خلق الله! السلام عليك يا خيرة الله من جميع خلقه! السلام عليك يا حبیب الله! السلام عليك يا سيد ولد آدم! السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! يا رسول الله! إني أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأنت عبده ورسوله، وأشهد أنك يا رسول الله! قد بلغت الرسالة، وأديت الأمانة، ونصحت الأمة، وكشفت الغمة، فجزاك الله عنا خيراً، جزاك الله عنا أفضل ما جازى نبياً عن أمته ..... ويذكر كل ما كان من قبيل الاستعطاف والرفق به، ويجتنب الألفاظ الدالة على الإدلال والقرب من المخاطب، فإنه سوء أدب ..... هذا، وليلغ سلام من أوصاه بتبليغ سلامه، فيقول: السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان! أو فلان بن فلان يسلم عليك يا رسول الله! يروى أن عمر بن عبد العزيز رحمه الله كان يوصي بذلك، ويرسل البريد من الشام إلى المدينة الشريفة بذلك، ومن ضاق وقته عما ذكرناه اقتصر على ما يمكنه.

وعن جماعة من السلف الإيجاز في ذلك جداً، ثم يتأخر عن يمينه إذا كان مستقبلاً قيد ذراع، فيسلم على أبي بكر رضي الله عنه، فإن

رأسه حیاں منکب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وعلی ما ذکرنا یكون تأخره إلى ورائه بجانبه، فيقول: السلام عليك يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم! وثانيه في الغار أبا بكر الصديق، جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيراً، ثم يتأخر كذلك قدر ذراع، فيسلم على عمر رضي الله عنه؛ لأن رأسه من الصديق كراس الصديق من النبي صلى الله عليه وسلم، فيقول: السلام عليك يا أمير المؤمنين عمر الفاروق الذي أعز الله به الإسلام! جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيراً، ثم يرجع إلى حیاں وجه النبي صلى الله عليه وسلم، فيحمد الله، ويثنى عليه، ويصلي، ويسلم على نبيه، ويدعو، ويستشفع له ولوالديه، ولمن أحب، ويختتم دعاءه بآمين والصلاة والتسليم.“ (فتح القدير: ۱۶۸/۳-۱۶۹، دارالكتب العلمية، بيروت) وفي الموسوعة الفقهية الكويتية: ”ثم يأتي القبر الشريف، فيستقبل جداره، ويستدير القبلة على نحو أربعة أذرع من السارية التي عند رأس القبر في زاوية جداره، ثم يقول في موقفه: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا خير خلق الله! السلام عليك يا خيرة الله من جميع خلقه! السلام عليك يا حبيب الله! السلام عليك يا سيد ولد آدم! السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! يا رسول الله! إني أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأنت عبده ورسوله، وأشهد أنك يا رسول الله! قد بلغت الرسالة، وأديت الأمانة، ونصحت الأمة، وكشفت الغمة، فجزاك الله عنا خيراً، جازاك الله عنا أفضل ما جازى نبياً عن أمته، اللهم أعط سيدنا عبدك ورسولك محمداً الوسيلة، والفضيلة، والدرجة العالية الرفيعة، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته، وأنزله المنزل المقرب عندك، إنك سبحانه ذو الفضل العظيم، ويسأل الله تعالى حاجته.

هذا ما عليه عامة الفقهاء مع اختلاف يسير في صيغ بعض

الأدعية.“ (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۰۶/۳۹)

**قبر مبارک پر درود شریف:**

جہاں تک قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے کی بات ہے تو اس کا بھی آغاز



صحابہ سے ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں موطا کی روایات میں تصریح آئی ہے کہ قبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتے۔

قال في الموطأ: "وحدثني عن مالك، عن عبد الله بن دينار، قال: رأيت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، وعلى أبي بكر وعمر." (الموطأ - رواية يحيى الليثي: ۱/۱۶۶، ح ۳۹۷، تحقيق محمد فواد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي، مصر)

وأيضاً في الموطأ: "أخبرنا مالك، أخبرنا عبد الله بن دينار، أن ابن عمر: كان إذا أراد سفراً، أو قدم من سفر جاء قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه، ودعا، ثم انصرف."

قال محمد: هكذا ينبغي أن يفعله إذا قدم المدينة يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم."

وقال اللكنوي في التعليق الممجد تحت قول الإمام محمد (يأتي ..... (الخ): "بيان لهكذا أي: يحضر عنده، ويصلي، ويسلم عليه." (الموطأ - رواية محمد بن الحسن: ۳/۴۴۸، ح ۹۴۷، باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم وما يستحب من ذلك، تحقيق: د. تقي الدين الندوي، دار القلم، دمشق)

**مولانا شریف پر صلاۃ اور سلام ملا کر پڑھنے کا ثبوت:**

اور درود شریف کو سلام کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا ثبوت بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی ملتا ہے:

وقال في السنن الصغرى للبيهقي: "وَرَوَيْنَا عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَتَى الْقَبْرَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ! وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى: بَدَأَ بِقَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى عَلَيْهِ، وَسَلَّمَ، وَدَعَا لَهُ، وَلَا يَمَسُّ الْقَبْرَ." (السنن الصغرى: ۲/۳۰، باب إتيان المدينة، وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم، والصلاة في مسجده، ومسجد قباء، وزيارة قبور الشهداء)

وفي شعب الإيمان للبيهقي: "أخبرنا أبو ذر عبد بن أحمد بن محمد الهروي، قدم علينا، أخبرنا أبو الفضل بن أبي القاسم، أخبرنا أحمد بن نجدة، حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا محمد بن بشر، حدثنا عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان إذا قدم من سفر

بدأ بقبر النبي صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه، وسلم، ودعاه، ولا  
يمس القبر، ثم يسلم على أبي بكر، ثم قال: السلام عليك يا أبت.  
(شعب الإيمان للبيهقي: ۱۸۴/۹)

### تابعین کا صلاۃ اور سلام ملا کر پڑھنا:

اسی طرح تابعین میں سے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب بھی مسجد نبوی  
میں داخل ہوتے تو ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ! صلی اللہ  
وملائکتہ علی محمد.“ کہتے۔

قال ابن أبي شيبه: ”حدثنا وكيع، عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن  
سعيد بن ذي حُدَّان، عن علقمة: أنه كان إذا دخل المسجد قال:  
السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! صلي الله وملائكته على  
محمد.“ (مصنف ابن أبي شيبة: ۱۷۷/۳، تحقيق محمد عوامة، ح ۳۴۳۶،  
باب ما يقول الرجل إذا دخل المسجد)

وفي المصنف: ”عبد الرزاق، عن معمر، والثوري، عن أبي إسحاق، عن  
عن سعيد بن ذي حُدَّان قال: سألت علقمة، قلت: ما تقول إذا دخلت  
المسجد؟ قال: أقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته!  
وصلي الله وملائكته على محمد.“ (مصنف عبد الرزاق: ۴۲۷/۱)

### تنبیہ:

فتویٰ میں مذکور تقریباً تیس (۳۰) احادیث، آثار صحابہ و تابعین میں سے پندرہ (۱۵) میں تو  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر سلام یعنی خطاب کا صراحت ذکر ہے اور دیگر میں قبر مبارک پر  
صرف درود شریف یا صلاۃ اور سلام دونوں یا دیگر صحابہ کو سلام مذکور ہے۔

### روضہ اقدس پر سلام کے ساتھ صلاۃ کو ملانے کی وجہ:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کے ساتھ درود کو ملانے کی وجہ بھی یہی لکھی ہے، کہ قرآن کریم  
میں جہاں سلام کا حکم آیا ہے ساتھ ہی درود کا بھی حکم آیا ہے اور اس کی بھی تصریح کی ہے کہ دیگر صحابہ  
اور چاروں ائمہ ہی اسی طرح سے سلام پیش کرتے تھے۔

في مجموع فتاوى ابن تيمية: ”فصل: وإذا دخل المدينة قبل الحج  
أو بعده: فإنه يأتي مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، ويصلي فيه،  
والصلاة فيه خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام..... ثم  
يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وصاحبيه فإنه قد قال: ”ما من

رجل یسلم علیّی إلا ردّ اللّٰہ علیّی روحی، حتی اُرد علیہ السلام۔“ رواہ أبو داود وغیرہ۔ وکان عبد اللّٰہ بن عمر یقول إذا دخل المسجد: السلام علیک یا رسول اللّٰہ! السلام علیک یا أبابکر! السلام علیک یا أبت! ثم ینصرف۔ وهكذا کان الصحابة یسلمون علیہ، ویسلمون علیہ مستقبلی الحجرۃ مستدبری القبلة عند أكثر العلماء کمالک و الشافعی وأحمد۔ وأبو حنیفة قال: یستقبل القبلة، فمن أصحابہ من قال: یستدبر الحجرۃ ومنہم من قال: یجعلہا عن یسارہ، واففقوا علی أنہ لا یستلم الحجرۃ، ولا یقبلہا، ولا یطوف بہا، ولا یصلی إلیہا، وإذا قال فی سلامہ: السلام علیک یا رسول اللّٰہ، یا نبی اللّٰہ، یا خیرۃ اللّٰہ من خلقہ، یا أکرم الخلق علی ربہ، یا إمام المتقین! فهذا کلہ من صفاتہ بأبی ہو وأمی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ وكذلك إذا صلی علیہ مع السلام علیہ فهذا مما أمر اللّٰہ بہ ..... فأخبر أنہ یسمع الصلاۃ والسلام من القرب وأنہ یبلغہ ذلك من البعید۔“ (مجموعۃ فتاویٰ ابن تیمیہ ۶/ ۱۴۴)

و کذا فی مختصر منسک شیخ الإسلام ابن تیمیہ أيضاً:  
(۱/ ۳۹، الفصل الرابع عشر فی زیارة مسجد رسول اللّٰہ - صلی اللّٰہ علیہ وسلم - وغیرہ، آداب زیارة)

### صلوة و سلام شیخ ابن باز کی نظر میں:

اسی طرح آج کل کے عرب علماء خاص کر سابق مفتی اعظم سعودیہ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اور دیگر بھی نذرانہ سلام کو خطاب کے صیغے کے ساتھ شرکت قرائیں دیتے بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور درود کو بھی اسی لیے ساتھ ملا تے ہیں کہ درود شریف کی احادیث مبارکہ میں بہت ترغیب آئی ہے اور آیت: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ میں سلام کے ساتھ ساتھ درود بھیجے کا بھی حکم ہے۔

فی مجموعۃ فتاویٰ و مقالات ابن باز:

”سؤال: إذا سافر الإنسان إلى المدينة المنورة فهل يلزمه السلام علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وصاحبیہ رضی اللّٰہ عنہما أم لا؟ وإذا أراد السلام علیہم فما ہی الطريقة الصحیحۃ لذلك؟ أقصد: هل لابد من المبادرة بالسلام علیہم، أو أنہ لا بأس من تأخیرہ، وهل لابد من الدخول من خارج المسجد لیکونوا عن یمینہ، أو لا بأس بسلامہ

عليهم وهو خارج المسجد، وهم بذلك سيكونون عن شماله؟ وما هي الصيغة الشرعية للسلام؟ وهل يتساوى في ذلك الرجل والمرأة؟ أرسدونا جزاكم الله خيراً.

جواب: السنة لمن زار المدينة المنورة أن يبدأ بالمسجد النبوي، فيصلّي فيه ركعتين، والأفضل أن يكون فعلهن في الروضة النبوية إذا تيسر ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة." ثم يأتي القبر الشريف، فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، وعلى صاحبيه: أبي بكر وعمر رضي الله عنهما من قبل القبلة، يستقبلهما استقبالا، وصفة السلام أن يقول: السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته! وإن زاد فقال: صلى الله وسلم عليك، وعلى آلك، وأصحابك، وجزاك الله عن أمتك خيراً، اللهم آتو السيلة، والفضيلة، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته، فلا بأس، ثم يتأخر عن يمينه قليلاً، فيسلم على الصديق، فيقول: السلام عليك يا أبا بكر ورحمة الله وبركاته! رضي الله عنك، وجزاك عن أمة محمد خيراً، ثم يتأخر قليلاً عن يمينه، ثم يسلم على عمر رضي الله عنه مثل سلامه على الصديق رضي الله عنهما، لكن يشرع للرجال والنساء جميعاً الإكثار من الصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل مكان لعموم قول الله سبحانه: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ وقول النبي صلى الله عليه وسلم: "من صلى عليّ واحدة صلى الله عليه بها عشراً." والأحاديث في فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم كثيرة." (مجموع فتاوى ومقالات ابن باز: ۲/۲۳۶، ۲۳۷)

**قبر مبارک پر صیغہ خطاب کے ساتھ صلاۃ و سلام پڑھنا افضل ہے:**

بلکہ ایک سوال کے جواب میں شیخ بن باز نے جہاں درود و ابراہیمی اور "الصلاة والسلام عليك يا رسول الله!" دونوں کو جائز بتلایا ہے تو وہیں درود و سلام کو روضہ مبارک پر صیغہ جبر اور خطاب کے ساتھ یعنی "الصلاة والسلام عليك يا رسول الله!" کو افضل قرار دیا ہے۔

قال في فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء:

"سؤال: أي صلوات أفضل عند قبره الشريف؟ أعني: (الصلاة

والسلام عليك يا رسول الله!، أو (اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد) بصيغة الطلب، .....؟

جواب: لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما نعلم بصيغة معينة في الصلاة والسلام عليه عند قبره، فيجوز أن يقال عند زيارته: الصلاة والسلام عليك يا رسول الله! فإن معناها: الطلب والإنشاء وإن كان اللفظ خبراً، ويجوز أن يصلى عليه بالصلاة الإبراهيمية، فيقول: اللهم صل على محمد، والأفضل: أن يسلم عليه بصيغة الخبر كما يسلم على بقية القبور، ولأن ابن عمر رضي الله عنهما كان إذا زاره يقول: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا ابتاه! ثم ينصرف .....“

(فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۵۰/۲)

### عام مردوں کی طرف سے سلام کا جواب:

ایک حدیث مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جو کوئی مسلمان کسی مسلمان کی قبر پر گزرے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے اس مردے پر اس کی روح لوٹا دیتے ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں قبرستان جاکر سلام کرنے کا یہ صیغہ بھی آیا ہے جو خطاب ہی کا صیغہ ہے:

”السلام علیکم یا اهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، وأنتم سلفنا ونحن بالآثر.“

قال ابن تيمية رحمه الله: ”وإن كان السلام على أهل القبور جائزاً، ومخاطبتهم جائزة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم أصحابه إذا زاروا القبور أن يقول قائلهم: ”السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، يغفر الله لنا ولكم، نسأل الله لنا ولكم العافية. اللهم لا تحرمنا أجرهم، ولا تفتننا بعدهم، واغفر لنا ولهم.“ وروى أبو عمر ابن عبد البر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ”ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه، حتى يرد عليه السلام.“ وفي سنن أبي داود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ”ما من مسلم يسلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي، حتى أورد عليه السلام.“ لكن ليس من



المشروع أن يطلب من الأموات لا دعاء ولا غيره. وفي موطن مالك أن ابن عمر كان يقول: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبت! ثم ينصرف، وعن عبد الله بن دينار قال: رأيت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فيصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويدعو لأبي بكر وعمر، وكذلك أنس بن مالك وغيره نقل عنهم: أنهم كانوا يسلمون على النبي صلى الله عليه وسلم.“ (مجموع فتاوى ابن تيمية: ۱/۱۰۹)

وقال أيضاً: “وقد روي حديث صححه ابن عبد البر: أنه قال: ”ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه، حتى يرد عليه السلام.“ [مختصر تاريخ دمشق: ۷/۲۹۲، ودبلي: ۶۰۵۰] وروي في تلقين الميت بعد الدفن حديث فيه نظر، لكن عمل به رجال من أهل الشام الأولين، مع روايتهم له، فلذلك استحبه أكثر أصحابنا وغيرهم.

فهذا ونحوه مما كان النبي ﷺ يفعله، ويأمر به أمته عند قبور المسلمين عقب الدفن، وعند زيارتهم، أو المرور بهم: إنما هو تحية للميت كما يحيا الحي ..... فهذا كله وما كان مثله من سنة رسول الله ﷺ، وما كان عليه السابقون الأولون: هو المشروع للمسلمين في ذلك. وهو الذي كانوا يفعلونه عند قبر النبي ﷺ وغيره.

(اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۹۶-۲۹۷، دار الفكر، بيروت)

### حدیث سماع کی حیثیت:

آگے بڑھنے سے پہلے جواب میں مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ ”بیہقی“ اور ”تاریخ خطیب“ میں مذکور حدیث کی سند میں آئش سے روایت کرنے والے ایک راوی محمد بن مروان السدی الصغیر ہیں۔ جس پر محدثین رحمہم اللہ نے سخت کلام کیا ہے، خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ”تاریخ بغداد“ (۳/۲۹۲) میں ان کے بارے میں ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے: ”محمد بن مروان ليس بشيء.“ یعنی

روایت حدیث میں محمد بن مروان کی کوئی حیثیت نہیں اور ابن الجوزی نے ”موضوعات“ (۳۰۳/۱) میں فرمایا: ”لا يصح، و محمد بن مروان هو السدي الصغير.“ یعنی محمد

بن مروان وہی سدی صغیر ہیں (اور اس کی روایت کردہ) یہ حدیث صحیح نہیں۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کو ”متروک“ قرار دیا اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”مجموع الفتاویٰ“ (۲/ ۲۴۱) میں محمد بن مروان کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا۔ یہاں تک کہ علامہ عقیلی نے ”کتاب الضعفاء“ (۳/ ۱۳۶، ترجمہ: ۱۶۹۶) میں سدی مصیبر سے روایت ہونے کی بناء پر لکھا: ”لا أصل له من حديث الأعمش، وليس بمحفوظ، ولا يتابعه إلا من هو دونه.“ یعنی اعمش سے اس حدیث کی روایت ہی بے اصل ہے۔ محدثین کے اس کلام کی بناء پر قبر مبارک پر پڑھے گئے صلاۃ و سلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامعین فرمانے کے منکرین نے طوفان کھڑا کیا ہوا ہے۔ حالانکہ کسی حدیث کی ایک سند میں کسی ایک راوی کے کذاب یا وضاع ہونے کی بناء پر (اس کی روایت کو قبول نہ کرنے سے) یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری صحیح سند سے بھی وہ حدیث ناقابل قبول ہے اور وہ مسئلہ ہی غلط یا بے اصل ہے، جبکہ اسی حدیث کو ابوالشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جیسو سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

#### ابن تیمیہ کی انصاف پسندی:

یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے باوجود متفقہ دینی الحدیث ہونے کے یہاں پر انصاف سے کام لیتے ہوئے لکھا: اگرچہ محمد بن مروان کی وجہ سے یہ سند قابل حجت نہیں، مگر اس کا معنی صحیح ہے، کیونکہ دوسری احادیث سے اس کا یہ معنی ثابت ہے۔

كما قال في الرد على الأحنائي (۲۱۰-۲۱۱): ”الحديث وإن كان معناه صحيحاً، فإسناده لا يحتج به، وإنما يثبت معناه بأحاديث أخر.“

چنانچہ اگر ہم حدیث شریف کے دوسرے طریق جسے ابوالشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”ثواب الأعمال“ میں نقل کیا ہے، کو دیکھیں تو اعمش سے ہی محمد بن مروان کے ساتھ ساتھ ایک اور ثقہ راوی ابو معاویہ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، جس کے ثقہ ہونے کا اعتراف البانی نے بھی کیا ہے۔ البانی صاحب کی ناانصافی:

لیکن البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کا راستہ ہموار کرنے کے لیے اسی سند کے ایک دوسرے راوی ابوصالح عبد الرحمن بن احمد الزہری الاعرج کو شخص اس بناء پر ”مجهول“ قرار دیا ہے کہ ابوالشیخ نے اپنی کتاب ”طبقات الأصباہین“ (۳/ ۳۸۱) میں ان کا تذکرہ کر کے ان کی جرح و تعدیل سے سکوت کیا ہے۔

قال الألباني: ”قلت: و رجال هذا السند كلهم ثقات معروفون غير الأعرج هذا، والظاهر أنه الذي أورده أبو الشيخ نفسه في طبقات الأصباہین (۳/ ۳۸۱) فقال: عبد الرحمن بن أحمد الزهري،

الأعرج، ثم روى عنه حديثين، ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً، فهو مجهول ..... فقول الحفاظ في ”الفتح“ (۳۷۹/۲): ”سند جيد“ غير مقبول.“ (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۳۶۸، ۳۶۷/۱)

حالاً لکھ کر یہ صریحاً نا انصافی ہے۔ محدثین کے ہاں کسی راوی کا تذکرہ بغیر جرح و تعدیل کے کیے جانے سے وہ راوی مجہول قرار نہیں پاتا، ورنہ اس طرح تو بخاری و مسلم کے سینکڑوں راوی ”مجہول“ شمار ہوں گے اور ان کی روایت کردہ احادیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگ جائے گا، جبکہ اس کا قائل کوئی نہیں۔ اس بات کو پوری تفصیل سے شیخ عبدالفتاح ابوغندہ رحمہ اللہ نے ”الرفع والتکمیل“ پر اپنی تعلیقات میں رقم فرمایا ہے:

قال أبو غدة: ”قال الذهبي في الميزان (۵۵۶/۱) في ترجمة حفص بن غياث: قال ابن القطان: لا يعرف له حال ولا يعرف، قلت: فإن ابن القطان يتكلم في كل من لم يقل فيه إمام عاصر ذاك الرجل أو أخذ ممن عاصره، ما يدل على عدالته، وهذا شيء كثير، ففي الصحيحين من هذا النمط خلق كثير من مستورون، ماضعهم أحد، ولا هم بمجاهيل.“

و قال أيضاً في الميزان (۴۲۶/۳)، في ترجمة مالك بن الخير الزبدي المصري: قال ابن القطان: هو ممن لم تثبت عدالته، يريد أنه مانص أحد على أنه ثقة، وفي رواية الصحيحين عدد كثير ما علمنا أن أحداً نص على توثيقهم. والجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة، ولم يأت بما ينكر عليه: أن حديثه صحيح.“ (الرفع والتكمیل: ۲۴۳، قديمی کتب خانہ، کراچی)

### راوی کب ”مجہول“ قرار پاتا ہے؟

در حقیقت کوئی راوی ”مجہول“ تب قرار پاتا ہے جب وہ نہ تو حدیث کے طالب علم کے طور پر مشہور ہوا ہو، نہ اہل فن اسے جانتے ہوں، اور پورے ذخیرۂ احادیث میں اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اگر دو یا اس سے زیادہ راوی کسی سے روایت کریں تو پھر وہ ”مجہول“ نہیں رہتا، خطیب بغدادی، علامہ سخاوی، علامہ ابن عبد البر، اور علامہ تقی الدین سبکی رحمہم اللہ اور خود البانی صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

قال العلامة الكنتوي رحمه الله: ”قال الخطيب البغدادي في الكفاية (ص ۸۸): المجهول عند أهل الحديث، هو كل من لم يشتهر

بطلب العلم في نفسه، ولا عرفه العلماء به، ومن لم يعرف حديثه إلا من جهة راو واحد ..... وروينا عن محمد بن يحيى الذهلي قال: إذا روى عن المحدث رجلان ارتفع عنه اسم الجهالة. انتهى.  
و قال أيضا: أقل ما ترتفع به الجهالة أن يروي عنه اثنان فصاعدا من المشهورين بالعلم، إلا أنه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهما عنه. انتهى.

و قال السخاوي في "فتح المغيب" (ص: ۱۳۷): قال الدارقطني: من روى عنه ثقتان، فقد ارتفعت جهالته، وثبتت عدالته. انتهى.  
و قال ابن عبد البر في "الاستذكار" شرح الموطأ في باب الوضوء مما مست النار (۱/ ۲۲۸): من روى عنه ثلاثة - وقيل: اثنان - ليس بمجهول. انتهى.

و قال تقي الدين السبكي في "شفاء السقام في زيارة خير الأنام" (ص: ۹۰): فإن أراد جهالة العين، وهو غالب اصطلاح أهل الشأن في هذا الإطلاق - فذلك مرتفع عنه ..... وبرواية اثنين تنتفي جهالة العين فكيف برواية سبعة؟ وإن أراد جهالة الوصف فرواية أحمد عنه ترفع من شأنه. " (الرفع والتكميل: ۲۴۹-۲۵۲، قديمي كتب خانه، كراچی)

قال الألباني في تمام المنة: "القاعدة الرابعة: رد حديث المجهول، قال الخطيب في الكفاية (ص: ۸۸): "المجهول عند أصحاب الحديث: هو كل من لم يشتهر بطلب العلم في نفسه، ولا عرفه العلماء به، ومن لم يعرف حديثه إلا من جهة راو واحد."

وأقل ما ترتفع به الجهالة أن يروي عن الرجل اثنان فصاعدا من المشهورين بالعلم كذلك. .... قلت: والمجهول الذي لم يرو عنه إلا واحد هو المعروف بمجهول العين وهذه هي الجهالة التي ترتفع برواية اثنين عنه فأكثر. " (تمام المنة في التعليق على فقه السنة: ۱/ ۱۹)

**ابوصالح الثوري الاعرج مجهول نہیں:**

دار الافتاء والارشاد  
جامعة الزيتونة، تونس

جبکہ یہاں پر تو ابوصالح الاعرج سے ابوالشیخ محمد بن حیان نے کتاب "ثواب الأعمال" اور "کتاب الأمثال فی الحدیث" (۱/ ۷۳) اور "طبقات المحدثین بأصبهان" (۳/ ۳۱۱)، ۳۱۵، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳ میں، قاضی ابوالحسن محمد بن احمد بن ابراہیم نے "أخبار الأصهبان"

لابی نعیم الاصبہانی (۲۳/۱) میں اور لابی نعیم (۲۳/۱) میں [www.ownislam.com](http://www.ownislam.com) میں احادیث روایت کی ہیں۔

اسی طرح علامہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ابوالشیخ کے ساتھ مزید دو اور حضرات محدثین: محدث عسال اور احمد بن بندار کے نام بھی ذکر کیے ہیں جنہوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔  
 قال الذہبی: "عبدالرحمن بن أحمد بن یزید، أبو صالح الزہری، الأصبہانی، الأعرج، أخو محمد بن أحمد الزہری، سمع أبا کریب، وحمید بن مسعدة، و مسلم بن شبيب و جماعة، و عنه العسال، وأبو الشیخ، و أحمد بن بندار. توفي سنة ثلاث مائة."

(تاریخ الإسلام: ۱/۲۲۶۹)

اس طرح کل پانچ راوی ہیں جو ابوصالح الاعرج سے روایت کرتے ہیں جبکہ اوپر گزرا کہ کسی راوی سے صرف دو راویوں کی روایت سے بھی وہ راوی مجہول نہیں رہتا۔  
**"مستور" راوی کی روایت مقبول ہے:**

اب رہی بات کہ جس راوی میں جہالتہ الوصف ہو یعنی جس کے بارے میں محدثین عظام نے اس کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے کی وضاحت نہ کی ہو بلکہ سکوت فرمایا ہو تو اس کے لیے محدثین کے ہاں "مستور" کی اصطلاح مشہور ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ محدثین کے ہاں ایسے مستور راوی کی روایت مقبول ہے، جس پر کسی نے جرح نہ کی ہو۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول اس بارے میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

قال عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى في تعليقه: "قال الحافظ الذہبی في رسالته "الموقظة في المصطلح" ما يمكن اعتباره نصا صريحا في الموضوع، قال رحمه الله: و قد اشتهر عند طوائف من المتأخرين إطلاق اسم (الثقة) على من لم يجرح مع ارتفاع الجهالة عنه، و هذا يسمى: مستورا، و يسمى: محله الصدق، و يقال فيه: شيخ." (الرفع والتكميل: ص ۲۳۷، قديمی کتب خانہ، کراچی)

اسی طرح شارح بخاری، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ارشاد الساری (۱/۱۶) میں، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبہ میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شرح النخبہ (ص ۱۵۶) میں مستور کی روایت کے مقبول ہونے کی تصریح کی ہے۔

قال أبو غدة: "قال القسطلاني في إرشاد الساري: وقبل المستور قوم، ورجحه ابن الصلاح. وقال ابن حجر في شرح النخبة: وقبل روايته



جماعة بغیر قید ..... فی شرح شرح النخبة: وقد قبل رواية المستور جماعة منهم أبو حنيفة - رضي الله عنه - بغیر قید یعنی بعصر دون عصر، ذکره السخاوی۔

(التعلیق علی الرفع والتکمیل: ص ۲۴۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

### مستور راوی کے بارے میں قول فیصل:

اس بارے میں علامہ عبدالفتاح ابو غدة رحمہ اللہ کا قول فیصل یہ ہے کہ علماء جرح و تعدیل جنہوں نے راویوں پر کلام کیا یا باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں اگر ایسے راوی کے بارے میں سکوت فرمائیں جس پر کسی اور کی طرف سے جرح نہ کی گئی ہو، اور اس کی روایت کردہ حدیث کا متن بھی منکر نہ ہو، تو ان کا سکوت اس راوی کے حق میں توثیق شمار ہوگی اور محض ان کے سکوت سے وہ راوی مجہول یا ضعیف نہیں ٹھہرے گا۔ اس کی روایت کردہ حدیث صحیح ہوگی یا کم از کم وہ حدیث اگر دیگر علتوں سے پاک ہو تو حسن کے درجے سے تو کسی طور پر فیچ نہیں آئے گی۔

قال فی التعلیق علی الرفع والتکمیل: "فإذا علم هذا كله، اتضحت وجاهة ما أثبتته من أن مثل البخاري، أو أبي زرعة، أو أبي حاتم، أو ابنه، أو ابن يونس المصري الضدفي، أو ابن حبان، أو ابن عدي، أو الحاكم الكبير أبي أحمد، أو ابن النجار البغدادي، أو غيرهم ممن تكلم أو ألف في الرجال، إذا سكتوا عن الراوي الذي لم يجرح ولم يأت بمتن منكر يعد سكوته عن باب التوثيق والتعديل، ولا يعد من باب التجريح والتجهيل، و يكون حديثه صحيحا أو حسنا، أو لا ينزل عن درجة الحسن، إذا سلم من المغامر، والله أعلم۔"

(الرفع والتکمیل: ص ۲۴۶، قدیمی، کراچی)

### البانی صاحب کا اعتراف:

اور بالآخر خود البانی صاحب نے بھی یہی اعتراف کیا ہے۔

قال فی تمام المنة: "نعم يمكن أن تقبل روايته إذا روى عنه جمع من الثقات ولم يتبين في حديثه ما ينكر عليه وعلى هذا عمل المتأخرين من الحفاظ كابن كثير والعراقي والعسقلاني وغيرهم۔"

(تمام المنة فی التعلیق علی فقه السنة: ۲۰/۱)

### علامہ مناوی کا تسامح:

البانی صاحب کے علاوہ علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے بھی فیض القدير شرح الجامع الصغير

(۶/۲۲۰) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" کے

صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حافظ ابن حجر کے قول کو بیہقی کی ابن مروان والی روایت کے بارے میں سمجھا۔



قال المُناوي: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً أي: بعيداً عني (أبلغته) أي: أخبرت به من أحد من الملائكة، وذلك لأن لروحه تعلقاً بمقر بدنه الشريف، وحرام على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فحالها كحال النائم الذي ترقى روحه بحسب قواها إلى ما شاء الله له مما اختص به من بلوغه غاية القدرة له بحسب قدره عند الله في الملكوت الأعلى، ولها بالبدن تعلق، فلذا أخبر بسماعه صلاة المصلي عليه عند قبره، وذا لا ينافيه ما مر في خبر: "حيثما كنتم فصلوا عليّ." من أن معناه لا تتكلفوا المعادة إلى قبري، فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم ما ذاك إلا لأن الصلاة في الحضور مشافهة أفضل من الغيبة لكن المنهي عنه هو الاعتیاد الرافع للحشمة المخالف لكمال المهابة والإجلال.

- (هب عن أبي هريرة) قال ابن حجر في الفتح: "سند جيد"، وهو غير جيد. قال البيهقي: رواه في الشعب، وفي كتاب حياة الأنبياء من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبي هريرة، وضعفه في كتاب حياة الأنبياء باب مروان هذا، وأشار إلى أن له شواهد آه. وقال العقيلي: حديث لا أصل له، وقال ابن دحية: موضوع تفرد به محمد بن مروان السدي قال: وكان كذاباً، وأورده ابن الجوزي في الموضوع، وفي الميزان: ابن مروان السدي تركوه، واتهم بالكذب، ثم أورد له هذا الخبر.

(فيض القدير: ۶/۲۲۰، ح ۸۸۱۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے بڑی صراحت سے فتح الباری میں فرمایا: "اس حدیث کو ابو الشیخ نے "کتاب الثواب" میں جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

قال ابن حجر رحمه الله: "وأخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد." (فتح الباري: ۶/۶۳۰، قديمی کتب خانہ، کراچی)

لہذا اگر علامہ مناوی فتح الباری کی مراجعت کرتے تو ان سے اتنی بڑی غلطی صادر نہ ہوتی، جو

بقول حافظ غماری رحمہ اللہ تعالیٰ کہ ابو محقق امی ش سے کہنا علم حدیث کے ایک اہل طالب علم سے بھی ناممکن ہے۔ اسی لیے حافظ احمد بن الصدیق غماری نے مناوی پر سخت رد کرتے ہوئے مندرجہ بالا وضاحت فرمانے کے بعد ابو الشیخ کی سند کے بارے میں کہا: یہ سند صاف ہے، بیہقی کی سند کی طرح اس میں محمد بن مروان کا وجود نہیں۔

قال الغماری: ”من صلی علی عند قبري سمعته، ومن صلی علی نائياً أبلغته. (ہب) عن أبي هريرة.

قال في الكبير: قال ابن حجر - يعني الحافظ - في الفتح: سنده جيد، وهو غير جيد، فإن البيهقي رواه من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبي هريرة ..... إلخ.

قلت: ما كنت أظن أن الغفلة والجرأة تصل بالشارح إلى حد الانتقاد على شيخ الفن بالجهل والتهور، فالحافظ أورد الحديث من عند أبي الشيخ في كتاب الصلاة على النبي ﷺ الذي قال: حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج، ثنا الحسين بن الصباح، ثنا أبو معاوية، ثنا الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة به.

فهذا سند نظيف لا وجود لمحمد بن مروان السدي فيه بخلاف سند البيهقي ..... فأعجب لغباوة الشارح التي تحمله على الاعتقاد بأن الحافظ قد يغلط مثل هذه الغلطة الفاحشة، لأن محمد بن مروان السدي مشهور يعرفه صغار طلبة الحديث، فكيف يخفي أمره على شيخ شيوخ، متقن الفن، الحافظ ؟!!“ (المدائني لعل المناوي: ۶/۲۷۷)

**ابن عبد البہادی کی غلط فہمی:**

علامہ مناوی کا یہ مغالطہ بظاہر ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبد البہادی نے اعمش سے ابو معاویہ کی روایت کا سرے سے انکار کر کے کہا کہ اکیلمحمد بن مروان نے اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔ حالانکہ یہ ان کی زبردست غلط فہمی ہے۔ اعمش سے ابو معاویہ کی روایت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔

قال الألباني: ”قال ابن عبد الهادي في ”الصارم المنكي في الرد على السبكي“ (ص: ۱۹۰): وقد روى بعضهم هذا الحديث من رواية أبي معاوية عن الأعمش، وهو خطأ فاحش، وإنما هو محمد بن مروان تفرد به، وهو متروك الحديث، متهم بالكذب.“

(سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۱/۳۶۸)

اسی طرح اگر علامہ البانی طبقات التمدین باصہبان میں ابوصالح الاعرج کے ترجمہ کے بعد آگے صرف تین صفحات مزید ملاحظہ فرماتے کہ ابوالشیخ رحمہ اللہ نے جب ابوصالح کے بارے میں جرح سے سکوت فرمایا اور اس کے بھائی محمد بن احمد بن یزید الزہری کے بارے میں فرمایا: ”أخوه محمد بن أحمد بن يزيد الزهري، لم يكن بالقوي في حديثه، كثير الحديث.“ یعنی عبدالرحمن الزہری کے بھائی محمد بن احمد الزہری کثرت سے حدیث روایت کرتے ہیں مگر حدیث (کی روایت) میں قوی نہیں ہیں، تو ان پر واضح ہو جاتا کہ یہ ضعیف ابوصالح الاعرج کی توثیق و تعدیل ہے۔ ورنہ ابوصالح کے بارے میں کوئی جرح اگر کی گئی ہوتی، تو اسے لازماً نقل فرماتے، جس طرح یہاں ان کے بھائی کے متعلق تبصرہ کیا ہے۔

**البانی صاحب کا تقاض:**

علامہ البانی کے نقد احادیث کے سلسلے میں تسامحات میں سے ایک تسامح یہ تبصرہ بھی ہے جو اس حدیث پر ہے، چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح پر اپنی تحقیق میں اس حدیث پر صرف ”ضعیف“ کا حکم لگایا۔ اور اس کی تو شاید وضاحت کی ضرورت بھی نہیں کہ ضعیف حدیث کا ضعف جتنا بھی شدید ہو، ضعف کی وجہ سے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

قال الألباني: ”(ضعيف) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ”من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته.“ رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(مشکوٰۃ المصابیح بتحقیق الألبانی: ۱/۲۰۴، ح ۹۳۴، المكتب الإسلامي، بیروت)  
پھر ”ضعیف الجامع الصغير“ میں اس حدیث کو مطلقاً ”موضوع“ کہا ہے۔

في ضعيف الجامع الصغير للألباني: ”(موضوع). (هب) عن أبي هريرة. ”من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته.“

(ضعيف الجامع الصغير: ۱/۴۳۵، ح ۵۶۷۰، المكتب الإسلامي)

اور پھر البانی صاحب نے سلسلة الاحادیث الضعیفہ میں ابوالشیخ کی روایت کی بناء پر محمد بن مروان سے مروی حدیث کے پہلے حصے کے بارے میں لکھا: اس کا پہلا حصہ اس متابعت کی بناء پر موضوع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ اس حدیث کا پہلا حصہ سیوطی نے اپنی جامع صغیر میں بتائے سے نقل کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب اس حدیث کا پہلا حصہ اس متابعت سے یہاں پر موضوع ہونے سے بچ گیا تو بیہقی جامع صغیر میں کیوں نہ بچ سکا!!!!

كما قال في السلسلة الضعيفة: ”من صلى عليّ عند قبري سمعته،







## انصاف کا تقاضا: [www.ownislam.com](http://www.ownislam.com)

اب انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب قوی ”متابع“ مل جائے تو اس کو قبول کیا جائے اور حدیث کو اس کی حیثیت کے مطابق مقبول قرار دیا جائے۔ جیسے کہ خود علامہ البانی نے بھی حیات انبیاء سے متعلق مشہور حدیث ”الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون“ کے بارے میں قوی متابع ملنے کے بعد اس کی تضعیف سے رجوع کیا۔

قال في السلسلة الصحيحة: ”الأنبياء - صلوات الله عليهم - أحياء في قبورهم يصلون“..... فهذه متابعة قوية للأزرق ..... قال المناوي في ”فيض القدير“ بعد ما عزاه أصله لأبي يعلى: ”وهو حديث صحيح.“ ولكنه لم يبين وجهه، وقد كفييناك مؤنته، و الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله.

هذا. وقد كنت برهة من الدهر أرى أن هذا الحديث ضعيف لظني أنه مما تفرد به ابن قتيبة - كما قال البيهقي - ولم أكن قد وقفت عليه في مسند أبي يعلى و أخبار أصبهان. فلما وقفت على إسناده فيهما تبين لي أنه إسناده قوي و أن التفرد المذكور غير صحيح، ولذلك بادرت إلى إخراجہ في هذا الكتاب تبرئة للذمة و أداء للأمانة العلمية و لو أن ذلك قد يفتح الطريق لجاهل أو حاقد إلى الطعن و الغمز و اللمز، فلست أبالي بذلك ما دمت أني أقوم بواجب ديني أرجو ثوابه من الله تعالى وحده. فإذا رأيت أيها القارئ الكريم في شيء من تأليفي خلاف هذا التحقيق، فاضرب عليه و اعتمد هذا و عض عليه بالنواجذ، فإنني لا أظن أنه يتيسر لك الوقوف على مثله. والله ولي التوفيق.“

(السلسلة الصحيحة: ۲/۱۲۰، ح ۶۲۱)

وفي السلسلة الضعيفة: ”قوله صلى الله عليه وسلم: ”الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون.“

وهو حديث صحيح كما تبين لي بعد أن وقفت على متابع له، قال البيهقي: إنه تفرد به، فكتبت بحثاً حققت فيه صحة الحديث وأن التفرد المشار إليه غير صحيح و أودعت ذلك في السلسلة الأخرى برقم (۶۲۱)۔

(السلسلة الضعيفة: ۱/۳۶۶، ح ۲۰۲، مكتبة المعارف، الرياض)

بحث کے اختتام سے پہلے ایک وضاحت ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں صلاۃ و سلام کے سماعت فرمانے کا عقیدہ صرف اس ایک حدیث پر مبنی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فتویٰ کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں آپ نے سلام کرنے والے کو جواب مرحمت فرمانے کا فرمایا ہے اور سلام کا جواب بغیر سنے نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ وہ تمام احادیث مبارکہ جو عام اموات کے سماعت پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس کی دلیل ہیں۔ اسی طرح وہ احادیث مبارکہ جس سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتی ہے ان سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے کیونکہ سماعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں آپس میں بڑے ہوئے ہیں، جیسے کہ بحث کے شروع میں گزرا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث کی سند پر کلام کے باوجود دیگر احادیث کی بناء پر اس حدیث کے معنی کی صحت اور ثبوت کے قائل ہیں۔

بلکہ سماعت سے بڑھ کر فقہاء تو بصارت کے بھی قائل ہیں اور اسی بناء پر فرماتے ہیں کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف کے مذکور مقابل کھڑا ہو اور پشت قبلہ کی طرف رکھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں داہنی کروٹ پر رو قبیلہ نحو استراحت ہیں اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی طرف سے آئے اس طرح کہ پشت مکمل طور پر قبلہ کی طرف نہ ہو بلکہ قبلہ بائیں جانب پر ہوتا کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور اور آنکھوں کے سامنے ہو۔ یہ طریقہ اولیٰ ہے۔ اس کی وجہ میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فقہاء کے اس قول کو نقل کیا ہے: زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے، نہ کہ سر کی جانب سے کہ اس سے میت کی آنکھوں کو تھکاوٹ ہوتی ہے، بخلاف پاؤں کے، کیونکہ جب میت قبر میں دائیں کروٹ پر ہوگی تو اس کی نظریں اپنے قدموں پر ہوں گی اور زائر میت کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ: ”ثم يأتي القبر الشريف فيستقبل جداره ويستدير القبلة على نحو أربعة أذرع من السارية التي عند رأس القبر في زاوية جداره. وما عن أبي الليث أنه يقف مستقبل القبلة مردود بما روى أبو حنيفة رضي الله في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرك إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، إلا أن يحمل على نوع ما من استقبال القبلة، وذلك أنه عليه الصلاة والسلام في القبر الشريف المكرم على شقه الأيمن مستقبل القبلة. وقالوا في زيارة القبور مطلقاً:

www.ownislam.com

الأولى أن يأخذ من قبله الموقف الأول؛ لأنه يكون مقابلاً بصره، لأن بصره ناظر إلى جهة قدميه إذا كان على جنبه؛ فعلى هذا تكون القبلة عن يسار الواقف من جهة قدميه عليه الصلاة والسلام، بخلاف ما إذا كان من جهة وجهه الكريم، فإذا أكثر الاستقبال إليه عليه الصلاة والسلام لاكل الاستقبال بكون استدباره القبلة أكثر من أخذه إلى جهتها فيصدق الاستدبار ونوع من الاستقبال وينبغي أن يكون وقوف الزائر على ما ذكرنا، بخلاف تمام استدبار القبلة واستقباله صلى الله عليه وسلم فإنه يكون البصر ناظراً إلى جنب الواقف، وعلى ما ذكرنا يكون الواقف مستقبلاً وجهه عليه الصلاة والسلام وبصره؛ فيكون أولى.

(فتح القدير: ۱۶۸/۳، ۱۶۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

### خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ سوال میں جن الفاظ کے متعلق پوچھا گیا ہے اُزروئے احادیث و آثارِ صحابہ و تابعین (مذکور تقریباً ۳۰) و بتقریب ائمہ کرام و سلف اہل سنت و علماء عرب اور اکابر علماء دیوبند کے نزدیک خاص اس موقع پر پڑھا جانے والا درود شریف ہے اور مواجہہ شریف پر صلاۃ و سلام پیش کرنے کا بالکل درست اور افضل طریقہ ہے، البتہ قبر شریف کے علاوہ عام حالات میں سب سے افضل درود درودِ ابراہیمی ہی ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے ان کتب فقہ و فتاویٰ کے صرف حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں جن میں اسی طرح سے سلام پیش کرنے کا طریقہ صراحتہ مرقوم ہے۔

- ۱۔ فتاویٰ السبکی: (۵۵/۲)
- ۲۔ فتاویٰ الأزهر: (۱۹۸/۱)
- ۳۔ فتاویٰ الرملی: (۴۱۷/۲)
- ۴۔ الفتاویٰ الہندیہ: (۴۰۹/۶ - ۴۱۱)
- ۵۔ مجموع فتاویٰ ابن باز: (۱۶/۱۷۳)
- ۶۔ المنتقى من فتاویٰ الفوزان: (۲۳/۱۶)
- ۷۔ الحاروی للفتاویٰ للسیوطی: (۳۹۰/۳)
- ۸۔ فقہ السنۃ للشیخ السید سابق: (۱/۷۶۳)
- ۹۔ الفقہ علی المذاهب الأربعة: (۱/۱۱۰۰)
- ۱۰۔ فتاویٰ الشبکہ الإسلامية معدلة: (۲۰۶۱/۳)

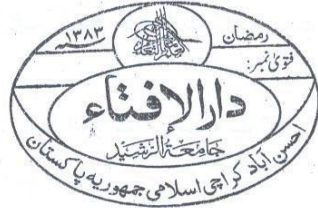
۱۱۔ فتاویٰ الإسلام سؤال وجواب: (۳۳۹۰/۱)  
www.ownislam.com

- ۱۲۔ خلاصة الوفاء بأمر الله تعالى: (۲۶۰۲۵/۳)  
۱۳۔ مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: (۸۶، ۸۵، ۸۴/۱)  
۱۴۔ نور الإيضاح ونجاة الأرواح: (۱۹۹/۲۱)، (۹۹/۳۳)  
۱۵۔ مجلة البحوث الإسلامية: (۱۹۹/۲۱)، (۹۹/۳۳)  
۱۶۔ مجموع فتاوى ومقالات ابن باز: (۶۴، ۶۳/۱)، (۲۳۴/۲)  
۱۷۔ الموسوعة الفقهية الكويتية: (۲۹۶/۱۱)، (۱۵۲/۱۵)، (۱۵۷/۲۶)  
۱۸۔ أوضح المسالك إلى أحكام المناسك للشيخ عبد العزيز بن محمد السلمان: (۱۴۰/۱)  
۱۹۔ مجموع فتاوى ابن تيمية: (۱۳۰، ۲۲/۴)، (۴۷۵/۵)، (۱۹۴/۶)، (۱۹۶، ۲۱۵، ۲۳۱، ۲۸۴)  
۲۰۔ كتب و رسائل ابن عثيمين: (۳۵، ۱۳، ۹/۲۲۰)، (۳، ۲۴۰)، (۳، ۲۴۱)، (۷۹، ۷۷، ۸۱)  
☆ (۱۷/۲۴۲)

والله سبحانه وتعالى اعلم  
محمد بن جان محمد  
دار الافتاء جامعة الرشيد  
احسن آباد، کراچی  
۵۱۴۳۲/۲/۱۲

الحمد لله  
محمد بن جان محمد  
دار الافتاء جامعة الرشيد کراچی

الحمد لله  
محمد بن جان محمد  
دار الافتاء جامعة الرشيد کراچی  
۱۲ / ۲ / ۱۴۳۲ هـ



الحمد لله  
محمد بن جان محمد  
دار الافتاء جامعة الرشيد کراچی